© rasailojaraid.com

مولانا نفیس احمد مصباحی

امام اعظم ابوحنیفہ کا علمی مقام اور اجتہادی خدمات

مقررہ عنوان پر گفتگو سے پہلے میں جام نور کے چیف ایڈیٹر ادیب شہیر محترم مولانا خوشتر نورانی زیدحبہ کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے ماہ نامہ جام نور کے ''اجتہاد و تقلید نمبر'' میں قلمی شرکت کے لیے مجھ ناچیز کو دعوت دی اور میرے لیے مذکور بالا عنوان کا انتخاب فرما کر سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرنے کا موقع عنایت کیا۔

سیّدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے علمی مقام اور گونا گوں دینی و علمی خدمات کو اجاگر کرنا اور اقوام عالم کے سامنے رکھنا ہم حنفیوں کی مذہبی اور اخلاقی ذمہ داری ہے اور وقت کا تقاضا بھی۔ کیوں کہ ''اسلاف بے زار مٹھی بھر جماعت'' نے ائمہ مجتہدین خصوصاً امام اعظم رضی اللہ عنہ کے تعلق سے بے سروپا باتیں وضع کرلی ہیں اور انھیں بنیاد بنا کر شب و روز اس پروپگنڈہ میں مصروف ہے کہ مذہب حنفی کتاب وسنت کے خلاف صرف قیاس اور رائے کی کمزور اور غیر اسلامی بنیادوں پر قائم ہے۔ اس مٹھی بھر جماعت کے افراد بخاری مسلم کی چند حدیثیں رٹ کر ''رٹو طوطے'' کی طرح ہر جگہ موقع بے موقع انھیں کو دہراتے ہیں اور ''اہل حدیث'' ہونے کا دم بھرتے ہیں اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر ''مجتہد مطلق'' اور عظیم الشان تابعی امام کی تقلید کو شرک، بدعت اور نہ جانے کیا کیا ٹھہراتے ہیں، جب کہ حضرت امام کے صدیوں بعد پیدا ہونے والے افراد مثلاً ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن عبدالوہاب نجدی، میاں نذیر حسین دہلوی، نواب صدیق حسن خاں قنوجی، عبدالرحمٰن مبارک پوری، ناصرالدین البانی اور عبداللہ بن باز کی باتیں آنکھ بند کرکے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بے چون و چرا مانتے اور ان پر عمل کرتے ہیں اور ہم مقلدوں سے کہیں آگے بڑھ کر ''کورانہ تقلید'' کا عملی ثبوت پیش کرتے ہیں۔ ہر ہوش مند انسان یہ جانتا ہے کہ ہم (احناف) اس باعظمت امام کی تقلید کرتے ہیں جن کے زمانے سے عہد رسالت کا فاصلہ ایک صدی سے بھی کم ہے، جن کی دینی اور علمی عظمتوں کا ایک جہان معترف ہے، جن کی علمی رفعتوں کی بشارت اور پیشین گوئی خود حدیث نبوی میں موجود ہے اور جنہوں نے فقہ کے اصول اور فروع کی تدوین فرما کر بعد میں آنے والے علما اور فقہا اور پوری امت مسلمہ پر زبردست احسان فرمایا ہے۔ جب کہ یہ اسلاف بے زار لوگ، ان لوگوں کے مقلد ہیں جن کے زمانے اور عہد رسالت کے درمیان صدیوں کا فاصلہ ہے اور سیّدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں جن کی کوئی دینی وعلمی حیثیت نہیں۔

اس عنوان کے دو بنیادی جز ہیں ☆۱ حضرت امام اعظم کا علمی مقام ☆۲ آپ کی اجتہادی خدمات۔

اب میں حضرت امام کی بارگاہ میں اس امید کے ساتھ محبتوں کی سوغات لیے حاضر ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس نیک اور مقبول بندے کے فیوض و برکات سے مجھ حقیر کو بھی بہرہ ور فرمائے گا اور میرے لیے دنیا و آخرت کی سعادتوں اور فیروزمندیوں کا سامان کرے گا۔

احب الصالحین و لست منهم
لعل اللّٰہ یرزقنی صلاحا

(میں تو خود نیک نہیں، (مگر) نیکوں سے اس امید پر محبت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ (ان کی برکت سے) مجھے بھی نیک بنادے۔

نام اور نسب

آپ کا اسم گرامی ''نعمان'' کنیت ''ابوحنیفہ'' اور آپ کے والد کا نام ثابت ہے۔ آپ کے دادا جن کا نام بعض تذکرہ نگاروں نے زُوطی اور بعض نے زَوطی لکھا ہے۔ جنگ میں گرفتار ہوکر کوفہ آئے اور مسلمان ہوکر یہیں بنی تیم اللہ کی ولا میں رہ پڑے ان کا پیشہ تجارت تھا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ان کی ملاقات ہوئی اور اس حد تک تعلقات تھے کہ وہ کبھی کبھی ان کی خدمت میں ہدیے بھیجتے رہتے تھے۔ (مناقب الامام العظم للکردری، ج ا ص ۶۵، ۶۶)

☆ جس نے قبل از وقت کسی شی کے حصول کی کوشش کی اسے اس سے محرومی کی سزا دی جائے گی ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کے بیٹے ''ثابت'' بھی کوفہ میں تجارت کرتے تھے۔ خود سیدنا امام اعظم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ میں ان کے والد کی روٹیوں کی ایک دکان تھی۔

(مناقب الامام الاعظم للموفق بن احمد، ج ا، ص ۱۶۲)

ولادت و وفات

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سن ولادت کے بارے میں مختلف اقوال ہیں ☆ا۔ ۶۱ھ میں، ☆۲۔ ۷۰ھ، میں، ☆۳۔ ۷۷ھ میں، ☆۴۔ ۸۰ھ میں۔

خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں مزاحم بن داؤد کی روایت سے ۶۱ھ اور ابونعیم کی روایت سے ۸۰ھ سن ولادت لکھا ہے۔ (تاریخ خطیب، ج ۱۳، ص ۳۳۰)

ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں مذکورہ بالا دونوں اقوال کو نقل کر کے ۸۰ھ کی روایت کو ترجیح دی ہے۔ (وفیات الاعیان، ج ۵، ص ۳۱۴۳۱۳) جب کہ میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ آپ کی ولادت ۷۷ھ میں ہوئی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ قاضی ابو عبداللہ حسین بن علی سیمری (متوفی ۴۳۶ھ) نے بہ سند متصل احمد بن الصت سے (اخبار ابی حنیفہ و اصحابہ، ص ۴) اور امام ابن عبدالبر نے بہ سند متصل ابوجعفر محمد بن عمرو اور عبداللہ بن جعفر رازی اور محمد بن سماعہ سے، امام اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کے سب سے عظیم شاگرد امام ابو یوسف کی یہ روایت نقل کی ہے:

میں نے ابوحنیفہ (رضی اللہ عنہ) سے سنا کہ میں ۹۳ھ میں اپنے والد کے ساتھ حج کو گیا، اس وقت میری عمر سولہ سال تھی۔ میں نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا جس کے پاس لوگوں کا زبردست ہجوم تھا۔ میں نے والد صاحب سے پوچھا کہ یہ بوڑھے بزرگ کون ہیں؟ انھوں نے کہا: یہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں، ان کا نام عبداللہ بن حارث بن جزء ہے۔ پھر میں نے دریافت کیا: ان کے پاس کیا ہے؟ تو والد صاحب نے بتایا کہ ان کے پاس وہ حدیثیں ہیں جو انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ آپ مجھے ان کی بارگاہ میں لے چلیں تاکہ میں بھی ان سے حدیث سن لوں۔ یہ سننے کے بعد والد صاحب آگے بڑھے اور لوگوں کی بھیڑ چیرتے ہوئے چلے اس طرح میں ان کے قریب پہنچ گیا اور میں نے ان سے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے۔

قال رسول اللّٰہ تعالی علیہ وسلم: من تفقه فی دین اللّٰہ کفاہ اللّٰہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وهمه و رزقه من حيث لا يحسبه.

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے دین کی بصیرت (سمجھ) حاصل کرلی اللہ تعالیٰ اس کا اور اس کی فکروں کا نگہبان ہوجاتا ہے اور اسے اس طرح روزی دیتا ہے جو اس کے شان وگمان میں بھی نہیں ہوتا۔

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ ۹۳ھ میں امام اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کی عمر سولہ سال تھی جس سے واضح طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ کی ولادت ۷۷ھ میں ہوئی۔

ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں آپ کی وفات کے بارے میں اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ کی وفات رجب کے مہینہ میں ہوئی اور کہا گیا ہے کہ شعبان کے مہینہ میں ہوئی اور سالِ وفات ۱۵۰ھ ہے اور کہا گیا ہے کہ جمادی الاولی کی گیارہ تاریخ تھی اور ایک قول یہ بھی ہے کہ سن وفات ۱۵۳ھ ہے لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

(وفات الاعیان، ج۵، ص۳۱۳،۳۱۴)

اس طرح وفات کے وقت آپ کی عمر تراسی ۸۳ سال تھی، کیوں کہ آپ کی ولادت ۷۷ھ اور وفات ۱۵۰ھ ہے۔

تحصیل علم

تعلیم کے متعلق ان کا اپنا بیان یہ ہے کہ ابتدا میں انھوں نے قرأت، حدیث، نحو، ادب، شعر اور کلام وغیرہ ان تمام علوم کا مطالعہ کیا تھا جو اس زمانے میں رائج اور متداول تھے۔ (مناقب الامام الاعظم للموفق بن احمد المکی ج اص ۵۷، ۵۸) اس کے بعد آپ نے علم کلام میں مہارت پیدا کی اور ایک مدت تک اس میں مصروف رہ کر اتنا کمال پیدا کرلیا کہ اس فن میں ان کی طرف نگاہیں اٹھنے لگیں۔ ان کے مشہور شاگرد زفر بن ہذیل رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ امام اعظم نے ان سے کہا: ''پہلے میں علم کلام سے دلچسپی رکھتا تھا اور اس حد کو پہنچ گیا تھا کہ میری طرف اشارے کیے جاتے تھے۔'' (مصدر سابق، ص ۵۹)

موفق بن احمد مکی نے یحییٰ بن شیبان کے حوالے سے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کیا ہے: ''میں ایک ایسا شخص تھا جسے علم کلام کی بحثوں میں مہارت حاصل تھی۔ ایک

© rasailojaraid.com

©-rasailojaraid.com

زمانہ ایسا گزرا کہ میں ان ہی بحثوں اور مناظروں میں مشغول رہتا تھا اور چوں کہ مباحثے اور مناظرے کرنے والے لوگ زیادہ تر بصرہ میں تھے اس لیے میں بیس سے زیادہ مرتبہ بصرہ گیا۔ کبھی کبھی سال چھ مہینے بھی وہاں رہ کر خوارج کے مختلف گروہوں اباضیہ، صفریہ کا جائزہ لیتا تھا اور دل میں کہتا تھا کہ یہی اصل دین ہے۔ ایک مدت کے بعد دل میں یہ خیال آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین سے یہ باتیں پوشیدہ نہیں تھیں جن میں ہم مباحثے کرتے ہیں۔ وہ حضرات ان باتوں کو جانتے ہوئے ان کی طرف راغب نہیں ہوئے، بلکہ ان باتوں سے منع ہی کیا اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ وہ حضرات دین کے مسائل اور ابواب فقہ میں غور وخوض کرتے تھے اسی میں ان کی گفتگو ہوتی تھی، اور اسی میں ان کی مجلسیں ہوا کرتی تھیں اور وہ اسی کی تعلیم و تربیت دیا کرتے تھے، اسی میں ان کے مناظرے ہوا کرتے تھے اور اسی حالت میں صحابہ کا دور ختم ہوا اور ان ہی کی پیروی تابعین نے کی ہے۔

جب ہم پر یہ بات عیاں ہوگئی تو ہم نے مناظرے چھوڑ دیے اور علم کلام میں غور و خوض کرنا چھوڑ دیا، سلف صالحین کا طریقہ اختیار کیا اور اصحاب معرفت کی صحبت میں بیٹھے۔

(مصدر سابق، ۵۹)

اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے ابتدا میں علم کلام میں کمال پیدا کیا اور اس علم کے ارباب اختصاص اور اصحاب کمال میں آپ کا شمار ہونے لگا۔ اس سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ آپ نے اس وقت فلسفہ و منطق اور مذاہب کے اختلافات کے متعلق بھی کافی واقفیت حاصل کر لی تھی، کیوں کہ ان علوم پر دسترس حاصل کیے بغیر کوئی انسان علم کلام میں کمال حاصل نہیں کرسکتا۔ بعد میں انھوں نے فقہ کی تدوین اور قرآن و حدیث سے شرعی احکام کے استنباط اور عقلیات کے استعمال کا جو کمال دکھایا اور بڑے بڑے پیچیدہ مسائل کو حل کرنے میں جو شہرت حاصل کی وہ اسی ابتدائی ذہنی وفکری تربیت کا نتیجہ تھی۔

ایک مدت تک علم کلام میں مشغول رہنے کے بعد آپ نے اس سے رخ موڑا اور علم فقہ (قانون اسلام) کی تدوین اور قرآن و حدیث کی طرف متوجہ ہوئے اس کے تعلق سے درج ذیل دو روایتیں بھی ملتی ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

☆۱۔ امام اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کے جلیل القدر شاگرد امام زفر بن ھذیل علیہ الرحمہ حضرت امام اعظم سے ان کا بیان نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

''علم کلام میں میری شہرت اتنی بڑھ گئی کہ میری طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جانے لگا۔ میری مجلس حضرت حماد کے حلقہ درس کے پاس ہی تھی۔ ایک دن ایک عورت نے آکر مجھ سے سوال کیا کہ ایک شخص کی بیوی ایک باندی ہے، وہ شخص چاہتا ہے کہ اپنی بیوی کو صحیح طریقہ سے طلاق دے، وہ کتنی طلاقیں دے؟ میں نے اس خاتون سے کہا تم جاکر حماد سے پوچھو، پھر وہ جو جواب دیں مجھے باخبر کرو۔ عورت حماد کے پاس گئی، پھر یہ جواب لائی کہ جب عورت حیض سے پاک ہو جائے خاوند اس سے ہم بستری نہ کرے اور اس کو ایک طلاق دے دے اور وہ اس سے پاک ہو جائے تو پھر بھی شوہر اس سے الگ رہے، ہم بستری نہ کرے اور دوسری طلاق دے دے اور عورت سے علاحدہ رہے پھر جب اس کو تیسرا حیض آجائے اور اس سے پاک ہوجائے وہ اپنے شوہر کے نکاح سے نکل گئی۔ اب اس کو اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرے۔ عورت سے یہ جواب سن کر میں نے اپنی جوتیاں اُٹھائیں اور حضرت حماد کے حلقہ درس میں جاکر بیٹھ گیا۔ پھر جو کچھ سنتا یاد کرلیتا۔ حضرت حماد کا معمول تھا کہ وہ دوسرے دن اپنے شاگردوں سے پڑھے ہوئے اسباق کے متعلق سوال کرتے تھے۔ ان کے شاگرد جواب میں غلطیاں کرتے تھے، لیکن مجھے بالکل صحیح صحیح یاد ہوا کرتا تھا۔ لہٰذا حضرت حماد نے مجھ کو اپنے قریب بیٹھنے کی جگہ عنایت فرمائی۔'' (تاریخ بغداد للخطیب، ج:۳۳۳، مناقب الامام اعظم للموفق المکی، ج:۱ص: ۵۵)

حضرت امام ابو یوسف کا بیان ہے کہ امام اعظم (رضی اللہ عنہ) سے پوچھا گیا کہ آپ کو علم فقہ کی طرف کس طرح رغبت ہوئی؟ تو فرمایا: ''میں نے جب علم میں رسوخ حاصل کرنے کا ارادہ کیا تو تمام علوم پر نظر ڈالی۔ علم کلام اور عقائد کے متعلق خیال آیا کہ اس میں فائدہ کم ہے اور علم نحو و ادب کے متعلق خیال آیا کہ میرا مشغلہ بچوں کو پڑھانا بن جائے گا اور شعر و شاعری میں بے جا تعریف و توصیف اور غلط بیانی کے سوا کچھ نہیں اور علم قرأت میں دوسروں کو پڑھا دینے کے سوا کچھ نہیں اور تفسیر میں کلام الٰہی سے بحث ہے، اور یہ نازک مرحلہ ہے اور میں نے جب فقہ پر نظر ڈالی تو مجھ پر اس کی جلالت شان ظاہری ہوئی۔ اس میں علما، مشائخ اور ارباب علم و دانش سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واسطہ پڑتا ہے۔ اقامتِ دین، فرائض کی ادائیگی اور عبادت کے طور طریقوں کی معرفت کا تعلق اسی مبارک علم سے ہے"۔ (تاریخ بغداد للخطیب، ج ۱۳، ص ۳۳۱، ملخصاً)

دور فقاہت میں اگرچہ آپ مناظرہ کی طرف راغب نہ تھے، لیکن اتفاقی طور پر کبھی کٹر شیعہ اور خوارج سے مناظرے کی نوبت آجاتی تھی۔ مناظرے کے دوران آپ کی حاضر جوابی، تبحر علمی اور ذہانت و فطانت قابلِ دید ہوتی تھی۔ آپ کے سیرت نگاروں نے اس زمانے کے کچھ مناظروں اور مباحثوں کے احوال لکھے ہیں۔ ان ہی میں خوارج کے ساتھ آپ کا وہ تاریخی مناظرہ بھی ہے جو کسی زانیہ اور شرابی کے مومن ہونے یا نہ ہونے سے متعلق تھا۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کی متعدد آیتیں پڑھ کر مناظرہ کرنے والے خوارج کو اس بات کا اعتراف کرنے پر مجبور کردیا کہ زنا کار اور شرابی گناہ کبیرہ کے مرتکب ہونے کے باوجود دائرہ ایمان سے خارج نہیں ہوتے آخرکار ان خوارج نے اپنا مذہب چھوڑا اور مذہب اہل سنت اختیار کرلیا۔

اس مناظرہ کی تفصیل علامہ موفق بن احمد مکی علیہ الرحمہ نے "مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ" (ج ا ص ۱۲۴، ۱۲۵) پر لکھی ہے۔

علمی مقام

سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا علمی مقام نہایت بلند ہے، وہ علم و تفقہ کے وہ نیر تاباں ہیں جس کی درخشانی اور تابانی کے سامنے آسمان نے علم و معرفت کے نجوم و کواکب کی درخشانی گم ہوتی نظر آتی ہے۔ ان کے علمی مقام کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ حدیث نبوی میں ان کے متعلق بشارت آئی ہے: امام ابونعیم نے حلیۃ الاولیا میں یہ حدیث روایت کی ہے:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لو کان العلم بالثریا لتناولہ رجال من ابناء فارس.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر علم ثریا کے پاس ہوتا تو فارس کے کچھ افراد اسے حاصل کرلیتے اور شیخ شیرازی نے "الألقاب" میں حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کی ہے۔

لو کان العلم معلقاً بالثریا لتناولہ قوم من أبناءِ فارس. اگر علم ثریا پر آویزاں ہوتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تب بھی کچھ ابنائے فارس اسے حاصل کر لیتے۔

امام جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب تبییض الصحیفة فی مناقب امام أبی حنیفة (ص۴۷۳) پر اس طرح کی روایتیں جمع کی ہیں اور لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان احادیث میں امام ابوحنیفہ کے تعلق سے بشارت دی ہے۔

علامہ سیوطی کے شاگرد سیرت شامی کے مصنف علامہ محمد بن یوسف شامی نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ علامہ محمد بن عابدین شامی رد المحتار میں لکھتے ہیں:

فی حاشیة الشبرا ملسی علی المواهب عن العلامه الشامی تلمیذ السیوطی، قال: ماجزم به شیخنا من ان ابا حنیفة هوا المراد من هذا الحدیث ظاهر لا شک فیه، لانه لم یبلغ من اجبناء فارس فی العلم مبلغه احد. (ردالمحتار، ج ا ص ۳۷)

مواہب لدنیہ کے شبراملسی کے حاشیہ میں ہے کہ علامہ سیوطی کے شاگرد علامہ شامی نے کہا: ''وہ جس پر ہمارے شیخ نے یقین کیا ہے کہ ابوحنیفہ ہی اس حدیث سے مراد ہیں: بالکل ظاہر ہے کہ اس میں کچھ شک وشبہ نہیں اس لیے کہ ابنائے فارس میں سے کوئی بھی ان کے درجہ تک نہیں پہنچا۔''

علامہ ابن حجر ہیتمی مکی شافعی اپنی کتاب ''الخیرات الحسان'' میں اس کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فیه معجزة ظاهرة للنبی صلی الله علیه وسلم حیث اخبر بما سیقع.

(الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ النعمان، ص۱۴، دار الکتب العربیہ الکبری، مصرا)

یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کھلا ہوا معجزہ ہے کہ آئندہ ہونے والی بات کی خبر دی۔

حدیث کی ان بشارتوں سے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے علمی مقام ومرتبہ کی بلندی آفتاب نیم روز کی طرح نظر آتی ہے جس کا اعتراف نہ صرف ان کے مقلدین اور متبعین نے کیا ہے بلکہ دوسرے ائمہ مجتہدین بھی کھلے دل سے اس کا اعتراف کرتے نظر آتے ہیں جس کی ایک جھلک آپ نے ابھی ملاحظہ فرمالی۔ مزید تفصیل آگے آئے گی۔

اور آپ کے علمی مقام کی بلندی کی سب سے واضح دلیل یہ ہے کہ آپ کی ذات میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک مجتہد کے سارے اوصاف کامل طریقے پر موجود تھے، تمام اہل علم نے آپ کو ''مجتہد مطلق'' مانا ہے۔ اب مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان اوصاف وشرائط کو ذکر کردیا جائے جو ایک مجتہد کے لیے ضروری ہے تاکہ یہ حقیقت کھل کر سامنے آجائے کہ اس مجتہد مطلق مجتہدوں کے سرخیل، فقہ واجتہاد کے امام اعظم کا علمی مقام کتنا بلند ہے۔

شرائط اجتہاد

امام غزالی لکھتے ہیں: کہ مجتہد کے لیے ایک شرط یہ ہے کہ اس کا علم علوم شرعیہ کا احاطہ کیے ہوئے ہو اور وہ غور وفکر سے حکم شرعی معلوم کرسکتا ہو اور یہ جانتا ہو کہ مسائل کے استنباط میں کون سے علوم مقدم ہیں اور کون سے علوم مؤخر ہیں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ نیک اور پرہیزگار ہو اور وہ گناہوں سے اجتناب کرنے والا ہو جو اس کی بدنامی کا باعث اور پرہیزگاری کے خلاف ہوں۔

شرعی علوم میں کتاب اللہ، سنت رسول، اجماع اور وہ علوم عقلیہ ہیں جن کی مدد سے استدلال کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ کتاب اللہ کے علم سے یہ مراد نہیں کہ قرآن مجید کی تمام آیتوں کا علم ہو، بلکہ ان آیتوں کا علم ضروری نہیں کہ وہ پانچ سو آیات حفظ ہوں، بلکہ اسے یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ آیات، قرآن مجید میں کہاں کہاں ہیں تاکہ ضرورت کے وقت ان کو تلاش کرسکے۔ اسی طرح حدیث کا عالم ہونے سے یہ مراد نہیں کہ وہ تمام احادیث مرویہ کا حافظ ہو بلکہ یہ ضروری ہے کہ احکام سے متعلق حدیثیں ہیں اور مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ اسے معلوم ہو کہ کس حکم سے متعلق حدیث سنن ابوداؤد یا سنن بیہقی میں کس جگہ مذکور ہے تاکہ ضرورت کے وقت وہ حدیث تلاش کرسکے۔

اجماع کا علم ہونے سے مراد ہے کہ مجتہد کو اس کا علم ہو کہ اس سے پہلے کن کن مسائل پر اجماع ہوچکا ہے تاکہ اسکا حکم خلاف اجماع نہ ہو۔ یا اس کو یہ علم ہو کہ یہ مسئلہ اس زمانے میں پیدا ہوا ہے اور اس سے پہلے اس پر اجماع نہیں تھا، علوم عقلیہ سے مراد یہ ہے کہ مثلاً ایجاب صغری اور کلیت کبری شکل اوّل کے نتیجہ دینے کی شرط ہے۔ اسی طرح (قیاس کی) باقی تینوں شکلوں کی شرطیں بھی وہ جانتا ہو، تاکہ نتیجہ تک پہنچنے میں غلطی نہ کرے۔ کتاب وسنت کے علم کے لیے کچھ علوم مشترک ہیں جن کا مجتہد کو جاننا ضروری ہے۔ ان میں سے لغت، نحو، صرف اور علم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلاغت ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ مجتہد ان علوم میں زمخشری، اصمعی، خلیل اور سیبویہ کی طرح ہو، بلکہ ضروری یہ ہے کہ اس کو ان علوم میں اس قدر مہارت ہو کہ وہ قرآن اور حدیث کے معنی، عربی اسلوب کے مطابق صحیح طور پر سمجھ سکے۔ مجتہد کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ عقائد کے دلائل سے واقف ہو، یہاں تک کہ وہ عقلی دلائل سے عالم کا حادث ہونا، اللہ تعالیٰ کا موجود ہونا اور اس کا واجب الوجود اور ایک ہونا ثابت کر سکے اور ضرورت نبوت، قرآن مجید کی وجہ اعجاز اور نبی اکرم ﷺ کی نبوت اور ختم نبوت، عقلی اور نقلی دلائل سے ثابت کر سکے، تاکہ مسائل کلام وعقائد میں اس کا علم مقلد سے ممتاز ہو۔ لغت، صرف ونحو، علم کلام کے علاوہ مجتہد کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کلام صریح، کلام مجمل، حقیقت، مجاز، عام، خاص، محکم، متشابہ، مطلق، مقید وغیرہ کا بھی عالم ہو۔ ان علوم کے علاوہ مجتہد کے لیے کتاب وسنت کے ناسخ اور منسوخ کا علم بھی ضروری ہے اس لیے کہیں وہ ایسا حکم نہ بیان کردے جو قرآن یا حدیث میں منسوخ ہو چکا ہو۔

یہ تو وہ علوم تھے جو کتاب وسنت میں مشترک ہیں اور جو کچھ علوم وہ ہیں جو سنت (حدیث) کے ساتھ خاص ہیں۔ جن کی وجہ سے اسے صحیح اور غیر صحیح روایت اور مقبول اور نہ مقبول حدیث کے درمیان تمیز ہو سکے۔ اسی طرح اس کے لیے علم درایت حدیث اور علم اسماالرجال کا حاصل کرنا بھی ضرری ہے۔ تاکہ اسے حدیث کے راویوں کی معرفت اور انکی عدالت کا علم ہو سکے۔ (المستصفی للامام محمد الغزالی، جلد ۲ص ۳۵۰ تا ۳۴۵ (ملخصاً) مطبوعہ مطبعہ کبریٰ، بولاق، مصر ۱۲۹۴ھ علامہ آمدی الاحکام للعلامہ سیف الدین الآمدی، ج: ۳ص ۱۳۹ تا ۱۴۰، مطبعہ محمد علی واولادہ، مصر اور علامہ بزدوی، الموافقات للعلامہ ابراہیم بن موسیٰ الشاطبی، ج ۴: ص ۶۷، مطبعہ محمد علی واولادہ، مصر نے بھی مجتہد کی یہی شرائط اجتہاد لکھنے کے بعد یہ صراحت بھی کی ہے۔

''ہم نے اجتہاد کی شرائط میں جو علم قرآن، علم حدیث، علم اصول قرآن، علم اصولِ حدیث، علم اسما الرجال، علم اجماع، علم استدلال، علم لغت ونحو اور عقائد کے ضروری مسائل کی جانکاری ہونے کا ذکر کیا ہے۔ یہ شرط مجتہد مطلق کے لیے ہے جو تمام شرعی احکام میں اجتہاد کرتا ہے۔ مجتہد کے لیے یہ شرط نہیں کہ وہ ہر مسئلہ کا جواب دے سکے، کیوں امام مالک علیہ الرحمہ سے چالیس مسائل پوچھے گئے جن میں سے چھتیس کے بارے میں انھوں نے کہا: ''میں نہیں جانتا امام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بہت سے مسائل میں توقف کیا، بلکہ صحابہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی بہت سے مسائل میں توقف کیا تو جس کا اسے علم ہو اس میں فتویٰ دے اور جس کا علم نہ ہو اس میں توقف کرے۔'' (المصطفیٰ للغزالی ج: ۲ص ۳۵۴) (ملخصا) ان تصریحات کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہوکر سامنے آئی کہ مجتہد کے لیے قرآن و حدیث اور ان کے متعلقات کا زبردست علم ضروری ہے اور سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ شرائط اجتہاد کے جامع کامل تھے۔ اس کا عملی ثبوت وہ ہزاروں شرعی اور قانون مسائل ہیں جو ان کے اجتہاد کے نتیجہ میں منقح ہوکر سامنے آئے۔

ارباب فضل وکمال کا اعتراف

اسی بنیاد پر ایک جہان علم آپ کا مداح اور آپ کی علمی جلالت، فقہی بصیرت اور مجتہدانہ صلاحیت کا خطبہ پڑھتا نظر آتا ہے۔ خود آپ کے ہم عصر علما، محدثین اور قرآن و حدیث کے رمز شناس آپ کی علمی جلالت کی شہادت دے رہے ہیں۔ آئندہ سطور میں ارباب فضل وکمال کی شہادتیں پڑھیے اور حضرت امام کی عظمتوں کو سلام عقیدت پیش کیجیے۔

امام محمد بن ادریس شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

الناس فی الفقہ عیال علی ابی حنیفۃ: لوگ فقہ میں ابوحنیفہ کے محتاج ہیں۔

اور یہ بھی فرمایا: من اراد ان یعرف الفقہ فلیلزم ابا حنیفۃ و اصحابہ. جو شخص فقہ کی معرفت حاصل کرنا چاہے اسے چاہیے کہ ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں کا دامن پکڑے۔

امام شافعی علیہ الرحمۃ والرضوان کی قبر پر حاضر ہوئے اور دو رکعت نماز پڑھی، جس میں (تکبیر تحریمہ کے علاوہ) کسی بھی تکبیر میں رفع یدین نہیں کیا اور ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ فجر کی نماز تھی۔ پھر انھوں نے اس میں دعائے قنوت نہیں پڑھی (جب کہ ان کے یہاں فجر کی نماز میں دعائے قنوت پڑھی جاتی ہے) کسی نے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تو امام شافعی نے جواب دیا: اس امام کے ادب وتعظیم کی وجہ سے مجھے گوارا نہ ہوا کہ میں ان کی بارگاہ میں ان کے مذہب کے خلاف عمل کروں۔

امام مالک علیہ الرحمۃ والرضوان سے امام شافعی نے پوچھا: آپ نے امام ابوحنیفہ کو کیسا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پایا؟ تو انھوں نے فرمایا:

رایت رجلا لو کلمک فی الساریة ان یجعلها ذهبا لقام بحجتة. میں نے انھیں ایسا با کمال آدمی پایا کہ اگر وہ اس ستون کو سونا ثابت کرنا چاہتے تو اپنی دلیل سے ثابت کردیتے۔

حضرت فضیل بن عیاض نے فرمایا: امام ابوحنیفہ کی جلالت شان کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ مشہور فقیہ اور صاحب ورع وتقویٰ تھے۔

حضرت نضر بن شمیل کا بیان ہے کہ لوگ فقہ کے معاملے میں خوابیدہ تھے۔ یہاں تک کہ ابوحنیفہ نے انھیں بیدار کردیا۔ (الخیرات الحسان، ص ۵ مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الدبرئ، مصر)

امام المحدثین، جلیل القدر تابعی سلیمان اعمش، صحابی رسول سیّدنا انس رضی اللہ عنہ کے ممتاز شاگرد ہیں۔ ان سے کسی شخص نے کچھ مسائل پوچھے۔ اس وقت سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے وہ مسائل امام اعظم سے پوچھے، آپ نے فوراً ان کے جوابات دیے، امام اعمش نے کہا: یہ جواب آپ نے کہاں سے دیے؟ آپ نے فرمایا: ان حدیثوں سے جو میں نے خود آپ ہی سے سنی ہیں، پھر آپ نے وہ حدیثیں سند کے ساتھ سنادیں۔ امام اعمش نے کہا:

حسبک ماحد ثتک به فی مائة یوم تحدثنی به فی ساعة واحدة، ماعلمت انک تعمل بهذه الاحادیث، یا معشر الفقها، انتم الاطباء و نحن الصیادلة، وانت ایها الرجه اخذت بکلا الطرفین. (مصدر سابق، ص ۶۱) بس کیجیے، جو حدیثیں میں نے سو دن میں آپ کو سنائیں آپ گھڑی بھر میں مجھے سنائے دیتے ہیں، مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ ان حدیثوں میں یوں عمل کرتے ہیں۔ اے گروہ فقہا! تم طبیب ہو اور ہم (محدثین) دوافروش ہیں اور اے ابوحنیفہ! تم تو فقہ و حدیث دونوں کے جامع ہو۔

حضرت عبداللہ بن مبارک نے فرمایا: کوئی شخص امام ابوحنیفہ سے زیادہ اس لائق نہیں ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، کیوں کہ وہ متقی، پرہیزگار، صاحب ورع وتقویٰ عالم اور فقیہ ہیں، انھوں نے علم کو اس طرح منکشف کیا جس طرح کسی نے نہیں کیا۔

امام احمد بن حنبل نے ان کے بارے میں کہا کہ وہ علم، تقویٰ، دنیا سے بے رغبتی اور

☆ جب حقوق باہم متعارض ہوں تو ان میں جس کا وقت تنگ ہوا سے ترجیح حاصل ہوگی ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آخرت کی دلچسپی میں اس مقام پر فائز تھے کہ اسے کوئی دوسرا حاصل نہیں کرسکتا۔ خلیفہ منصور کی طرف سے انھیں قاضی (جج) کا عہدہ قبول کرنے پر مجبور کیا گیا، یہاں تک کہ انھیں اس کے لیے کوڑے مارے گئے، مگر انھوں نے یہ عہدہ قبول نہ کیا۔

(امام بخاری کے استاذ) مکی ابن ابراہیں فرماتے ہیں کہ ابوحنیفہ اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم تھے۔ حضرت معمر فرماتے ہیں: میں نے ایسا کوئی شخص نہیں دیکھا جو عربی زبان و ادب کے معاملے میں اچھی طرح گفتگو کرسکتا ہو، قیاس بھی کرسکتا ہو، حدیث کی شرح بھی کرسکتا ہو اور ان امور میں امام ابوحنیفہ سے زیادہ علم رکھتا ہو۔

خلف بن ایوب فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم عطا فرمایا، آپ سے صحابۂ کرام کو ملا، ان سے تابعین کی طرف منتقل ہوا، پھر امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں کو ملا، جو شخص چاہے راضی ہو اور جو چاہے ناراض ہو۔

حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں: اگر اللہ تعالیٰ امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری رضی اللہ عنہما کے ذریعہ میری مدد نہ فرماتا تو میں عوام الناس میں سے ہوتا۔ یہ بھی فرمایا: کہ اگر میں نے امام ابوحنیفہ کی زیارت نہ کی ہوتی تو میں بھی سکے (کرنسی) بیچنے والوں میں سے ہوتا۔ اور اگر ابوحنیفہ نہ ہوتے تو میں مبتدعین میں سے ہوتا۔ حضرت عبداللہ بن مبارک سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو فرماتے: حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس طرح فرمایا اور امام ابوحنیفہ نے اس طرح فرمایا۔ حاضرین میں سے کوئی شخص کہتا کہ آپ ابوحنیفہ کو ابن مسعود کے ساتھ ملا رہے ہیں تو فرماتے: اگر تو امام ابوحنیفہ کو دیکھتا تو عظیم شخصیت کو دیکھتا۔

حضرت سفیان ثوری علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں: ''ہم امام ابوحنیفہ کے سامنے ایسے تھے جیسے باز کے سامنے چڑیاں ہو، ابوحنیفہ علما کے سردار ہیں۔''

حضرت جعفر بن ربیع کہتے ہیں: ''میں پانچ سال امام ابوحنیفہ کی خدمت میں حاضر رہا، میں نے ان سے کسی مسئلے کے بارے میں سوال کیا جاتا تو یوں معلوم ہوتا جیسے علم کا دریا بہ رہا ہو۔'' یہ بھی فرمایا کہ سب سے بڑے فقیہ امام ابوحنیفہ ہیں، میں نے فقاہت میں ان جیسا کوئی عالم نہیں دیکھا۔ (تحصیل التعریف فی معرفۃ الفقہ والتصوف للشیخ عبدالحق المحدث الدہلوی (مترجم) ص۲۱۹، ۲۲۰، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی)

© rasailojaraid.com

البینۃ علی من ادعی والیمین علی من انکر ☆ گواہ لانا مدعی کے ذمہ اور قسم منکر دعوی کے ذمہ ہے۔

© rasailojaraid.com

حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں: میں امام اوزاعی علیہ الرحمہ سے ملنے شام گیا۔ بیروت میں ان سے ملاقات ہوئی۔ مجھ سے کہا اے خراسانی! کوفہ میں یہ کون بدعتی پیدا ہوا ہے؟ یہ سن کر مین گھر آیا۔

امام ابوحنیفہ کی کتابیں نکالیں اور ان سے چیدہ چیدہ مسائل چھانٹ کر جمع کیے اس کام میں مجھے تین دن لگ گئے پھر میں امام اوزاعی کے پاس گیا، وہ مسجد کے مؤذن بھی تھے اور امام بھی۔ میرے ہاتھ میں کتابیں دیکھ کر کہا: یہ کیا ہے؟ میں نے ہاتھ بڑھا کر کتابیں ان کے حوالے کردیں۔ انھوں نے ایک مسئلہ پر نظر ڈالی، جس پر لکھا تھا ''قال النعمان'' (نعمان نے فرمایا) اذان کہہ کر کھڑے کھڑے پہلا حصہ پڑھ لیا۔ پھر کتاب آستین میں رکھ لی، پھر تکبیر کہہ کر نماز پڑھائی۔ نماز سے فارغ ہوکر کتاب آستین سے نکالی اور پوری کتاب پڑھ ڈالی۔ دیکھ کر کہا: یہ نعمان بن ثابت کون ہیں؟ میں نے کہا: ایک شیخ ہے جن سے عراق میں ملاقات ہوئی تھی۔ کہا: ''بڑی شان کے شیخ ہیں۔ جاؤ ان سے بہت سا فیض حاصل کرو۔ میں نے کہا: یہ وہی ابوحنیفہ ہیں ان سے آپ نے مجھے روکا تھا۔ (تاریخ بغداد للخطیب البغدادی، ج ۱۳، ص ۳۳۸)

امام ابویوسف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''میں نے امام ابوحنیفہ سے زیادہ حدیث کے معنی یا حدیث کے نکات جاننے والا کسی کو نہیں دیکھا اور میں نے جس مسئلے میں بھی امام ابوحنیفہ سے مخالفت کی اور غور کیا تو مجھ کو معلوم ہوا کہ ان کا مذہب آخرت کی نجات کے لیے زیادہ کارآمد ہے اور جب بھی مسائل کی استنباط میں میرا جھکاؤ ایک حدیث کی طرف ہوتا تھا تو حال یہ ہوتا کہ وہ حدیث صحیح کی مجھ سے کہیں زیادہ بصیرت رکھتے تھے میں اپنے والدین سے پہلے امام ابوحنیفہ کے لیے دعا کرتا ہوں۔'' (مصدر سابق ص ۳۴۰)

حضرت ابومطیع حکم بن عبداللہ کہتے ہیں: ''میں نے کسی محدث کو سفیان ثوری سے زیادہ فقیہ تھے۔'' (مصدر سابق، ص ۳۴۱)

حضرت یزید بن ہارون سے پوچھا گیا کہ امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری میں کون بڑا فقیہ ہے تو انھوں نے کہا: ''سفیان ثوری حفظ حدیث میں بڑھے ہوئے ہیں اور امام ابوحنیفہ فقہ میں، پھر فرمایا کہ میں نے حضرت ابوعاصم نبیل سے یہی سوال کیا تھا کہ ان دونوں میں کون بڑا

☆الاجر والضمان لا یجتمعان ☆ اجرت اور ضمانت ایک شخص میں جمع نہیں ہوسکتیں☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فقیہ ہے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ کا ایک غلام بھی سفیان ثوری سے بڑا فقیہ ہے۔"

(مصدر سابق، ص۳۴۲)

حضرت علی بن عاصم نے فرمایا: کہ اگر ابوحنیفہ کے علم کو ان کے علما کے علم کے ساتھ تولا جائے تو امام ابوحنیفہ کے علم کا پلہ بھاری رہے گا۔

(اخبار ابی حنیفہ و اصحابہ للقاضی الصمیری، بحوالہ سوانح بے بہائے امام اعظم ابوحنیفہ ص۹۵)

امام اعظم ابوحنیفہ اور قرآن کریم

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو قرآن کریم سے حد درجہ شغف تھا۔ آپ قرآن کی تلاوت فرماتے تھے اور نماز میں قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے قاضی ابوعبداللہ صیمری نے خارجہ بن مصعب کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپ ایک رکعت میں قرآن مجید ختم فرمایا ہے۔

(اخبار ابی حنیفہ و اصحابہ، ص۴۵)

حضرت خارجہ بن مصعب کہتے ہیں: خانۂ کعبہ میں چار اماموں نے پورا ختم کیا ہے، حضرت عثمان بن عفان، حضرت تمیم داری، حضرت سعید بن زبیر، حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ حضرت یحییٰ بن نصر کہتے ہیں: كان ابوحنيفة ربما ختم القرآن في شهر رمضان ستين ختمة. (ترجمہ: کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ امام ابوحنیفہ صرف رمضان کے مہینہ میں ساٹھ مرتبہ قرآن مجید ختم کرتے تھے) مذکورہ بالا روایت سے خوب واضح ہوگیا کہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا تلاوت قرآن سے بڑا لگاؤ تھا، وہ قرآن سے شرعی احکام کا استنباط بھی فرماتے تھے اور کثرت سے تلاوت بھی فرماتے تھے۔

امام اعظم اور حدیث

اوپر شرائط اجتہاد کے بیان میں گذرا کہ ایک مجتہد کے لیے دیگر اسلامی علوم کے ساتھ علم حدیث میں بھی مہارت ضروری ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ علم حدیث میں مرتبہ کمال پر فائز تھے یہ اور بات ہے کہ انھوں نے وقت کے تقاضے کے پیش نظر روایت حدیث کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی، بلکہ ان سے مسائل کا استخراج فرما کر امت مسلمہ کے لیے آسانیاں پیدا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرمادیں۔ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کی مشکلات حل فرمادیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ وہ زمانہ ہے جس میں حدیث کا درس شباب پر تھا، تمام بلادِ اسلامیہ میں اس کا درس زور وشور سے جاری تھا اور آپ کا وطن کوفہ تو اس خصوص میں ممتاز تھا، علم حدیث میں اس شہر کا امتیاز امام محمد بن اسمٰعیل بخاری کے دور تک باقی رہا۔ اسی لیے موصوف اتنی بار کوفہ گئے کہ خود فرمایا کہ ”میں کوفہ کتنی بار گیا شمار نہیں کرسکتا۔“

امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ والرضوان نے حدیث کی تحصیل کی ابتدا اپنے وطن کوفہ سے کی۔ کوفہ میں کوئی ایسا محدث نہ تھا جس سے آپ نے حدیث کا علم حاصل نہ کیا ہو۔ ابوالحاسن شافعی ہیں، مگر انھوں نے کھلے لفظوں میں اعتراف کیا ہے کہ ترانوے وہ مشائخ ہیں جو کوفے کے رہنے والے تھے یا کوفہ میں تشریف لائے جن سے امام اعظم نے حدیث اخذ کی۔

امام اعظم کے مشائخ حدیث میں امام شعبہ بن حجاج بھی ہیں، انھیں دو ہزار حدیثیں یاد تھیں، امام سفیان ثوری نے انھیں ”امیرالمومنین فی الحدیث“ کہا ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: ”اگر شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں حدیث اتنی عام نہ ہوتی“ ۱۶۰ھ میں ان کا وصال ہوا۔ جب سفیان ثوری کو ان کی وفات کی خبر پہونچی تو فرمایا آج علم حدیث مرگیا۔ امام شعبہ کو حضرت امام اعظم سے قلبی لگاؤ تھا غائبانہ ان کی ذہانت اور نکتہ رسی کی تعریف کرتے رہتے۔ ایک بار امام اعظم کا ذکر آیا امام شعبہ نے فرمایا: جس طرح مجھے یقین ہے کہ آفتاب روشن ہے اسی یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ علم اور ابوحنیفہ ہم نشیں ہیں۔“

امام بخاری کے استاذ حضرت یحییٰ بن معین سے کسی نے امام اعظم کے بارے میں پوچھا کہ ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ تو فرمایا: ”اس قدر کافی ہے کہ شعبہ نے انھیں حدیث روایت کرنے کی اجازت دی، شعبہ آخر شعبہ ہی تھے۔“ (عقود الجمان باب دہم)

کوفہ کے علاوہ حضرت امام نے بصرہ کے محدثین سے حدیثیں حاصل کیں اس وقت بصرہ بھی علم و فضل خصوصاً علم حدیث کا بہت اہم مرکز تھا۔ یہ شہر بھی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بسایا تھا اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ شہر مرکز حدیث بن گیا تھا۔ علامہ ذہبی جیسے علم حدیث کے ماہر نے دوسرے اور تیسرے دور میں جن عظیم شخصیتوں کو

ماجاز لعذر بطل بزوالہ ☆ جس کا استعمال عذر کی وجہ سے جائز ہو عذر ختم ہوتے ہی جواز بھی ختم ہوجائے گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محدث کا خطاب دیا ہے وہ بصرہ یا کوفہ کے رہنے والے یا یہاں اکثر آمد و رفت رکھنے والے تھے۔

جب امام اعظم نے ان دونوں مراکز سے ہزاروں ہزار احادیث حاصل کیں مگر امام اعظم ہونے کے لیے ابھی اور بہت کچھ ضرورت باقی تھی، یہ کمی حرمین طیبین سے پوری فرمائی۔ یہ گزر چکا کہ آپنے پہلا سفر حج ۹۶ھ میں کیا تھا اور آپ نے اپنی عمر میں پچپن حج کیے ۱۵۰ھ میں آپ کا وصل ہوا تو اس سے ثابت ہوا کہ ۹۶ھ کے بعد کسی سال حج ناغہ نہ ہوا اس لیے حرمین طیبین کی حاضری کم از کم ۹۶ھ کے بعد پچپن بار مسلسل بلاناغہ ہوئی۔ اس عہد میں حضرت عطا بن رباح مکہ معظمہ میں سرتاج محدثین تھے، یہ تابعی تھے دوسو صحابہ کرام کی صحبت کا شرف انھیں حاصل تھا، خصوصاً حضرت ابن عباس، ابن عمر، اسامہ، جابر، زید بن ارقم عبداللہ بن سائب، عقیل بن رافع، ابودرد اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے احادیث سنی تھیں۔ یہ محدث ہونے کے ساتھ بہت عظیم مجتہد بھی تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ عطا کے ہوتے ہوئے لوگ میرے پاس کیوں آتے ہیں؟ ایامِ حج میں حکومت کی طرف سے اعلان عام ہوجاتا تھا کہ عطا کے علاوہ اور کوئی فتویٰ نہ دے۔ اساطین محدثین، امام اوزاعی، امام زہری، امام عمر بن دینار، انھیں کے تلمیذ خاص تھے۔ امام اعظم جب ان کی خدمت میں تلمذ کے لیے حاضر ہوئے تو حضرت عطا نے ان کا عقیدہ پوچھا، امام اعظم نے کہا، میں اسلاف کو بُرا نہیں کہتا، گنہ گاروں کو کافر نہیں کہتا، تقدیر پر ایمان رکھتا ہوں اس کے بعد عطا نے آپ کو حلقہ درس میں شامل کرلیا۔ دن بہ دن حضرت امام کی ذکاوت و فطانت روشن ہوتی گئی، جس سے حضرت عطا ان کو اپنے قریب سے قریب تر کرتے گئے یہاں تک کہ حضرت عطا دوسروں کو ہٹا کر حضرت امام اعظم کو اپنے پہلو میں بٹھاتے۔ حضرت امام جب مکہ حاضر ہوتے تو اکثر حضرت عطا کی خدمت میں حاضر رہتے۔ ان کا وصال ۱۱۵ھ میں ہوا تو ثابت ہوا کہ تقریباً بیس سال ان سے استفادہ کرتے رہے۔

مکہ معظمہ میں حضرت امام نے وقت کے ایک اور امام حضرت عکرمہ سے حاصل کیا۔

عکرمہ سے کون واقف نہیں یہ حضرت علی، ابن عمر، عقبہ بن عمرو، صفوان، جابر، ابوقتادہ، ابن عباس رضوان اللہ علیہم اجمعین کے شاگرد ہیں۔ تفسیر و حدیث میں تقریباً ستر مشہور ائمہ تابعین ان کے شاگرد ہیں۔ جب حضرت امام اعظم مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے تو فقہائے سبعہ میں سے دو بزرگ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باحیات تھے ایک سلیمان جن کا دوسرا نمبر تھا۔ یہ اُم المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے غلام تھے۔ دوسرے حضرت سالم جو حضرت فاروق اعظم کے پوتے اور حضرت عبداللہ بن عمر کے صاحب زادے تھے۔ حضرت امام اعظم نے خصوصیت سے ان دونوں اماموں سے احادیث اخذ کیں، ان کے علاوہ دوسرے ائمہ احادیث سے بھی فیض پایا۔

(نزہۃ القاری، ج۱، ص۲۰۔۱۲۲، مطبوعہ دائرۃ البرکات گھوسی، مؤ، ۱۹۸۴ھ)

علامہ ابن حجر ہیتمی شافعی نے لکھا ہے کہ ’’حضرت امام اعظم نے چار ہزار مشائخ سے جو کہ ائمہ تابعین تھے اور دوسرے حضرات سے حدیثیں اخذ کی ہیں۔ اسی بنا پر علامہ ذہبی اور دوسرے علما نے حضرت امام کا شمار محدثین کے طبقہ حفاظ میں کیا۔‘‘

پھر آگے لکھتے ہیں، ’’جس نے یہ خیال کیا کہ آپ حدیث کا بہت کم اہتمام کرتے تھے اس نے تساہل سے کام لیا، یا حسد کی بنا پر یہ بات کہی ہے۔ یہ بات ایسے شخص کے متعلق کیسے صحیح ہوسکتی ہے جس نے بے شمار مسائل کا استنباط فرمایا ہو اور دلائل کے ذریعے مخصوص طریقہ استنباط میں پہلا شخص ہو... جس کا بیان اس کے اصحاب نے اپنی تالیفات میں کیا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ وہ مسائل کے استخراج و استنباط کے کام میں مصروف تھے۔ اس لیے ان کی روایتیں نہیں پھیلیں جس طرح حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی روایتیں ان کی مصروفیات کی وجہ سے کم ہوئیں کہ یہ حضرات عام مسلمانوں کے فلاح و بہبود کے کاموں میں مصروف تھے۔ ان کے برخلاف ان صحابہ کی روایتیں زیادہ پھیلیں جو عمر اور علم دونوں میں ان سے کم تھے۔ یہی حال امام شافعی اور امام مالک کا ہے کہ ان کی روایتیں ان افراد سے کم ہیں جو صرف احادیث روایت کرنے کا کام کرتے تھے جیسے ابوزرعہ اور ابن معین۔ کیوں کہ حضرت امام مالک اور امام شافعی مسائل کے استنباط میں مصروف رہتے تھے، پھر یہ بھی واضح رہے کہ روایت حدیث بغیر درایت کے بہت زیادہ قابل تعریف نہیں ہے۔ علامہ ابن عبدالبر نے اس کی مذمت میں ایک باب قائم کیا ہے۔‘‘

(الخیرات الحسان، ص۶۰، مطبعۃ دارالکتب العربیہ الکبریٰ، مصر)

حضرت امام اعظم کے عظیم ترین محدث ہونے کی سب سے بڑی اور سب سے روشن دلیل فقہ حنفی ہے۔ فقہ حنفی کے کلیات و جزئیات کو اُٹھا کر دیکھیے، جن جن ابواب اور جن جن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسائل میں صحیح اور غیر مؤول، غیر منسوخ، کتاب اللہ کے غیر معارض احادیث ہیں وہ سب فقہ حنفی کے مطابق ہیں۔اس کی تصدیق کے لیے امام طحاوی کی معانی الآثار، علامہ بدرالدین کی عمدۃ القاری شرح بخاری، علامہ کمال الدین ابن ہمام کی فتح القدیر، شرح ہدایہ، شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی فتح المنان فی تائید مذہب النعمان اور لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ مصابیح اور ملا علی بن سلطان قاری کو مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کا مطالعہ کیا جائے اور کچھ خلجان رہ جائے تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے مجموعہ فتویٰ ''العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ'' کا مطالعہ کیا جائے تو میرے دعوے کی حرف بہ حرف تصدیق ہوجائے گی۔

امام اعظم کی اجتہادی خدمات

امام اعظم علیہ الرحمہ والرضوان کی اجتہادی خدمات بھی گوناگوں ہیں، ان میں دو خدمات بہت اہم ہیں، (۱) علم شریعت کی باضابطہ تدوین، (۲) ائمہ مجتہدین اور فقہائے اسلام کی زبردست ٹیم تیار کرنا۔

مگر ان خدمات اور کارناموں کی اہمیت سمجھنے کے لیے خلاف راشدہ کے زمانے سے لے کر ان کے عہد تک کے حالات کا ایک سرسری جائزہ لینا ضروری ہے۔ خلافت راشدہ حقیقت میں محض ایک سیاسی حکومت نہ تھی بلکہ نبوت کی مکمل نیابت تھی، اس کا کام صرف اتنا نہ تھا کہ ملک کا نظم ونسق چلائے، امن قائم کرلے اور ملکی سرحدوں کی حفاظت کرے، بلکہ وہ مسلمانوں کی سماجی اور معاشرتی زندگی میں معلّم، مربی اور مرشد کے وہ تمام فرائض انجام دیتی تھی جو نبی اکرم ﷺ اپنی ظاہری حیاتِ طیبہ میں انجام دیا کرتے تھے اور اس کی یہ ذمہ داری تھی کہ اسلامی حکومت میں دین حق کے پورے نظام کو اس کی اصلی شکل و روح کے ساتھ چلائے اور دنیا میں مسلمانوں کی پوری اجتماعی طاقت دین حق اور کلمۃ اللہ کو بلند کرنے کی خدمت پر لگا دے۔ اس بنا پر یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ وہ صرف خلافت راشدہ ہی نہ تھی بلکہ خلافت مرشدہ بھی تھی۔

مگر خلافت راشدہ کے ختم ہوتے ہی اُمت مسلمہ کی قیادت دو حصوں میں بٹ گئی تھی۔ ایک سیاسی قیادت جس کی باگ ڈور امرا اور سلاطین کے ہاتھوں میں رہی اور دوسری دینی و مذہبی قیادت، جسے اُمت کے علما اور صلحا نے سنبھال لیا تھا اس دورِ تفریق میں سیاسی قیادت اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سربراہی عام طور پر امور سلطنت، جہانگیری اور ملکی نظام کو چلانے کا کام کرتی تھی اور اسے اس کی پروا نہ تھی کہ یہ کام شرعی نقطۂ نظر سے جائز ہے یا ناجائز، حلال ہے یا حرام۔ اس طرح مذہبی اور سیاسی قیادت کی تفریق سے اسلام کا قانونی نظام عملی طور پر حد درجہ متاثر ہو چکا تھا۔

قانون شریعت کی تدوین

امام ابوحنیفہ کا سب سے بڑا کارنامہ جس نے انھیں اسلامی تاریخ میں لازوال عظمت عطا کی، یہ تھا کہ انھوں نے اس عظیم خلا کو اپنے بل بوتے پر پُر کردیا جو خلافت راشدہ کے بعد شوریٰ کا سدباب ہوجانے سے اسلام کے قانونی نظام میں واقع ہو چکا تھا۔

ایک صدی کے قریب اس حالت پر گزر جانے سے جو نقصان رونما ہو رہا تھا اسے ہر صاحبِ فکر آدمی محسوس کر رہا تھا۔ ایک طرف مسلم ریاست کی حدود سندھ سے اسپین تک پھیل چکی تھی۔ بیسوں قومیں اپنے الگ الگ تمدن، رسم و رواج اور حالات کے ساتھ اس میں شامل ہو چکی تھیں۔ اندرونِ ملک مالیات کے مسائل، تجارت و زراعت کے مسائل اور صنعت و حرفت کے مسائل، شادی بیاہ کے مسائل، دیوانی اور فوج داری قوانین وضوابط کے مسائل روز بہ روز سامنے آرہے تھے۔ بیرونِ ملک دنیا بھر کی قوموں سے اس عظیم ترین سلطنت کے تعلقات تھے اور ان میں جنگ، صلح، سفارتی روابط، تجارتی لین دین، بحری و بری مسافرت، کسٹم وغیرہ کے مسائل پیدا ہو رہے تھے اور مسلمان چوں کہ اپنا ایک مستقل نظریہ، اصولِ حیات اور بنیادی قانون رکھتے تھے، اس لیے ناگزیر تھا کہ وہ اپنے ہی نظامِ قانون کے تحت ان بے شمار نت نئے مسائل کو حل کریں۔ غرض ایک طرف وقت کا یہ زبردست چیلنج تھا جس سے اسلام کو سابقہ درپیش تھا اور دوسری طرف حالت یہ تھی کہ ملوکیت کے دور میں کوئی ایسا مسلّم آئینی ادارہ باقی نہ رہا تھا جس میں مسلمانوں کے معتمد علیہ اہلِ علم اور فقیہ اور مدبرین بیٹھ کر ان مسائل کو سوچتے اور شریعت کے اصولوں کے مطابق ان کا مستند حل پیش کرتے جو سلطنت کی عدالتوں اور اس کے سرکاری محکموں کے لیے قانون قرار پاتا اور پوری مملکت میں یکسوئی کے ساتھ اس پر عمل کیا جاتا۔

اس نقصان کو خلفا، گورنر، حکام اور قاضی سب محسوس کر رہے تھے، کیوں کہ انفرادی اجتہاد اور معلومات کے بل پر روزمرہ پیش آنے والے اتنے مختلف مسائل کو بروقت حل کرلینا ہر

☆ الضرر لا یزال بالضرر ☆ نقصان کا ازالہ نقصان سے نہیں کیا جائے گا ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مفتی، حاکم، جج اور ناظم محکمہ کے بس کا کام نہ تھا اور اگر فرداً فرداً انھیں حل بھی کیا جاتا تھا تو اس سے بے شمار متضاد فیصلوں کا ایک جنگل پیدا ہو رہا تھا۔ مگر دشواری یہ تھی کہ ایسا ایک ادارہ حکومت ہی قائم کرسکتی تھی اور حکومت ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں تھی جو خود جانتے تھے کہ مسلمانوں میں ان کا کوئی اخلاقی وقار و اعتماد نہیں ہے۔ ان کے لیے فقہا کا سامنا کرنا تو درکنار ان کو برداشت کرنا بھی مشکل تھا۔ ان کے تحت بننے والے قوانین کسی حالت میں بھی مسلمانوں کے نزدیک اسلامی نظامِ قانون کا جز نہ بن سکتے تھے۔ ابن المقفّع نے اپنے رسالۃ الصحابۃ میں اس خلا کو پُر کرنے کے لیے المنصور کے سامنے یہ تجویز کی کہ خلیفہ اہلِ علم کی ایک کونسل بنائے جس میں ہر نقطۂ نظر کے علما پیش آمدہ مسائل پر اپنا اپنا علم اور خیال پیش کریں، پھر خلیفہ خود ہر مسئلہ پر اپنا فیصلہ دے اور وہی قانون ہو لیکن منصور اپنی حقیقت سے اتنا بے خبر نہ تھا کہ یہ حماقت کرتا۔ اس کے فیصلے ابوبکر وعمر کے فیصلے نہ بن سکتے تھے۔ اس کے فیصلوں کی عمر خود اس کی اپنی عمر سے زیادہ نہ ہوسکتی تھی، بلکہ اس کی زندگی میں بھی یہ توقع نہ تھی کہ پوری مملکت میں کوئی ایک مسلمان ہی ایسا مل جائے گا جو اس کے منظور کیے ہوئے قانون کی مخلصانہ پابندی کرے۔ وہ ایک لادینی اور غیر مذہبی قانون تو ہوسکتا تھا مگر اسلامی قانون کا ایک حصہ ہرگز نہ ہوسکتا تھا۔

اس صورتِ حال میں امام ابوحنیفہ کو ایک بالکل نرالا راستہ سوجھا اور وہ یہ تھا کہ وہ حکومت سے بے نیاز رہ کر خود ایک غیر سرکاری مجلس وضع قانون قائم کریں۔ یہ تجویز ایک انتہائی بدیع الفکر آدمی ہی سوچ سکتا تھا اور مزید برآں اس کی ہمت صرف وہی شخص کرسکتا تھا جو اپنی قابلیت پر اپنے کردار پر اور اپنے اخلاقی وقار پر اتنا اعتماد رکھتا ہو کہ اگر وہ ایسا کوئی ادارہ قائم کرکے قوانین مدوّن کرے گا تو کسی سیاسی قوتِ نافذہ اور حکومتی دباؤ کے بغیر اس کے مدوّن کرنے والوں کے اخلاقی اثر کے بل پر خود نافذ ہوں گے، قوم خود ان کو قبول کرے گی اور سلطنتیں آپ سے آپ ان کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوں گی۔ امام اعظم اعلیٰ درجہ کے دُور اندیش تھے، اپنی فراست ایمانی سے انھوں نے ان نتائج کو بھانپ لیا تھا جو فی الواقع ان کے بعد نصف صدی کے اندر ہی برآمد ہونے والے تھے وہ اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو جانتے تھے، مسلمانوں کے اجتماعی مزاج سے واقف تھے اور وقت کے حالات پر گہری نظر رکھتے تھے انھوں نے ایک کمال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درجہ کے دانا و دُوراندیش انسان کی حیثیت سے بالکل صحیح اندازہ کرلیا کہ وہ اس خلا کو اپنی نجی حیثیت سے پُر کر سکتے تھے اور ان کے پُر کرنے سے یہ خلا واقعی پُر ہو جائے گا۔

مجلس وضع قانون

اس مجلس کے شرکا امام کے اپنے شاگرد تھے جن کو سالہا سال تک انھوں نے اپنے مدرسۂ قانون میں باقاعدہ قانونی مسائل پر سوچنے، علمی طرز پر تحقیقات کرنے اور دلائل سے نتائج مستنبط کرنے کی تربیت دی تھی ان میں سے قریب قریب ہر شخص امام کے علاوہ وقت کے دوسرے بڑے بڑے اساتذہ سے بھی قرآن، حدیث، فقہ اور دوسرے مددگار علوم مثلاً لغت، نحو، ادب اور تاریخ و سیر کی تعلیم حاصل کر چکا تھا، مختلف شاگرد مختلف علوم کے متخصص اور ماہر سمجھے جاتے تھے، مثلاً کسی کو قیاس اور علومِ عقلیہ میں نمایاں مقام حاصل تھا، کسی کے پاس احادیث اور صحابہ کے فتاویٰ اور پچھلے خلفا و قضاۃ کے نظائر کی وسیع معلومات تھیں اور کوئی علم تفسیر یا قانون کے کسی خاص شعبے یا لغت اور نحو یا مغازی کے علم میں اختصاص رکھتا تھا ایک دفعہ امام نے خود اپنی ایک گفتگو میں بتایا کہ یہ کس مرتبے کے لوگ تھے۔

> یہ ۳۶/آدمی ہیں جن میں سے ۲۸/قاضی ہونے کے لائق ہیں، ۶/فتویٰ دینے کی اہلیت رکھتے ہیں اور دو اس درجے کے آدمی ہیں کہ قاضی اور مفتی تیار کر سکتے ہیں۔ (مناقب الامام اعظم للموفق المکی، ج۲ص۲۴۷)

اس مجلس کا طریق کار جو امام کے معتبر سوانح نگاروں نے لکھا ہے وہ ہم خود انھیں کے الفاظ میں یہاں نقل کرتے ہیں، علامہ موفق بن احمد المکی (م:۵۶۸ھ-۱۱۷۲ء) لکھتے ہیں:

> ابوحنیفہ نے اپنا مذہب ان کے (یعنی اپنے فاضل شاگردوں کے) مشورے سے مرتب کیا ہے وہ اپنی حد وسع تک دین کی خاطر زیادہ سے زیادہ جاں فشانی کرنے کا جذبہ رکھتے تھے اور خدا رسول اور اہلِ ایمان کے لیے جو کمال درجہ کا اخلاص ان کے دل میں تھا اس کی وجہ سے انھوں نے شاگردوں کو چھوڑ کر یہ کام محض اپنی انفرادی رائے سے کر ڈالنا پسند نہ کیا وہ ایک ایک مسئلہ ان کے سامنے پیش کرتے تھے، اس کے مختلف پہلو ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

> کے سامنے اپنی رائے بھی بیان کرتے، حتیٰ کہ بعض اوقات ایک ایک مسئلے پر بحث کرتے ہوئے مہینہ مہینہ بھر اور اس سے بھی زیادہ لگ جاتا تھا۔ آخر جب ایک رائے قرار پا جاتی تو اسے قاضی ابو یوسف کتب اصول میں ثبت کرتے۔ (مرجع سابق، ص۱۳۳)

عبداللہ بن المبارک کہتے ہیں کہ "ایک مرتبہ اس مجلس میں تین دن تک مسلسل ایک مسئلے پر بحث ہوتی رہی تیسرے دن شام کے وقت میں نے جب اللہ اکبر کی آوازیں سنیں تو پتا چلا کہ اس بحث کا فیصلہ ہوگیا۔ (مناسب الامام اعظم لکردری، ص۱۰۸۲)

امام کے ایک اور شاگرد ابوعبداللہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مجلس میں امام ابوحنیفہ اپنی جو رائیں ظاہر کرتے تھے انھیں وہ بعد میں پڑھوا کر سن لیا کرتے تھے چناں چہ ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

> میں امام کے اقوال ان کو پڑھ کر سناتا تھا، ابو یوسف (مجلس کے فیصلے ثبت کرتے ہوئے) ساتھ ساتھ اپنے اقوال بھی درج کردیا کرتے تھے اس لیے پڑھتے وقت میں کوشش کرتا تھا کہ ان کے اقوال چھوڑتا جاؤں اور صرف امام کے اپنے اقوال انھیں سناؤں، ایک روز میں چوک گیا اور دوسرا قول بھی میں نے پڑھ دیا امام نے پوچھا یہ دوسرا قول کس کا ہے؟

(مرجع سابق، ۱۳۶۲)

اس کے ساتھ المکی کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس مجلس کے جو فیصلے لکھے جاتے تھے ان کو الگ الگ عنوانات کے تحت کتابوں اور ابواب میں مرتب بھی امام ابوحنیفہ کی زندگی میں کردیا گیا تھا:

> ابوحنیفہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اس شریعت کے علم کو مدوّن کیا ان سے پہلے کسی نے یہ کام نہیں کیا، ابوحنیفہ نے اس کو کتابوں اور جدا جدا عنوانات کے تحت ابواب کی شکل میں مرتب کردیا تھا۔ (مرجع، ص۱۴۱)

اس مجلس میں جیسا کہ ہم پہلے موفق المکی ہی کے حوالے سے بتا چکے ہیں، ۸۳/ہزار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قانونی مسائل طے کیے گئے تھے اس میں صرف وہی مسائل زیرِ بحث نہیں آتے تھے جو اس وقت تک عملاً لوگوں کو یا ریاست کو پیش آچکے تھے بلکہ معاملات کی امکانی صورتیں فرض کر کرکے ان پر بھی بحث کی جاتی اور ان کا حل تلاش کیا جاتا تھا، تاکہ آئندہ اگر کبھی کوئی نئی صورت پیش آجائے جواب تک نہ پیش آئی ہو تو قانون میں پہلے سے اِس کا حل موجود ہو یہ مسائل قریب قریب ہر شعبۂ قانون سے متعلق تھے، بین الاقوامی قانون (جس کے لیے ''السیر'' کی اصطلاح مستعمل تھی) دستوری قانون، دیوانی وفوج داری قانون قانون شہادت ضابطۂ عدالت، معاشی زندگی کے ہر شعبے کے الگ قوانین، نکاح، طلاق اور وراثت وغیرہ شخصی احوال کے قوانین اور عبادات کے احکام، یہ سب عنوانات ہم کو ان کتابوں کی فہرستوں میں ملتے ہیں جو اس مجلس کے فراہم کردہ مواد سے امام ابو یوسف نے اور پھر امام محمد بن حسن الشیبانی نے بعد میں مرتب کیں۔

اس باقاعدہ تدوین قانون اور اجتماعی وضع قانون کا اثر یہ ہوا کہ انفرادی طور پر کام کرنے والے مجتہدوں، مفتیوں اور قاضیوں کا کام ساقط الاعتبار ہوتا چلا گیا۔ قرآن و حدیث کے احکام اور سابقہ فیصلوں اور فتاویٰ کے نظائر کی چھان بین کرکے اہلِ علم کی ایک مجلس نے ابوحنیفہ جیسے نکتہ رس آدمی کی صدارت و رہنمائی میں شریعت کے جو احکام منقح صورت میں نکال کر رکھ دیے تھے اور پھر اصولِ شریعت کے تحت وسیع پیمانے پر اجتہاد کرکے زندگی کے ہر پہلو میں پیش آنے والی امکانی ضرورتوں کے لیے جو قابلِ عمل قوانین مرتب کردیے تھے، ان کے بعد متفرق افراد کے مدوّن کیے ہوئے احکام مشکل ہی سے وقیع ہوسکتے تھے، اس لیے جوں ہی یہ کام منظرِ عام پر آیا اور عوام اور حکام اور قضاۃ، سب اس کی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہوگئے، کیوں کہ یہ وقت کی مانگ تھی اور لوگ مدت سے اسی چیز کے حاجت مند تھے، چناں چہ مشہور فقیہ یحییٰ بن آدم (م:۲۰۳ھ ۸۱۸ء) کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ کے اقوال کے آگے دوسرے فقہا کے اقوال کا بازار سرد پڑ گیا، انھیں کا علم مختلف علاقوں میں پھیل گیا اسی پر خلفا اور ائمہ اور حکام فیصلے کرنے لگے اور معاملات کا چلن اسی پر ہوگیا۔ (مرجع سابق، ص ۴۱) خلیفہ مامون (۱۹۸۔۲۱۸ھ ۸۱۳۔۸۳۳ء) کے زمانے تک پہنچتے پہنچتے یہ حالت ہوگئی کہ ایک دفعہ وزیر اعظم فضل بن سہیل کو ابوحنیفہ کے ایک مخالف فقیہ نے مشورہ دیا کہ حنفی فقہ کا استعمال بند کرنے کے احکام جاری کردیے جائیں۔ وزیر اعظم نے باخبر اور

☆جلب مصلحت کی نسبت مفاسد کو دور کرنا زیادہ بہتر ہے☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاملہ فہم لوگوں کو بلا کر اس معاملے میں رائے لی، انھوں نے بالاتفاق کہا یہ بات نہیں چلے گی اور سارا ملک آپ لوگوں پر ٹوٹ پڑے گا جس شخص نے آپ کو یہ مشورہ دیا ہے وہ ناقص العقل ہے۔ وزیر نے کہا، میں خود بھی اس خیال سے متفق نہیں ہوں اور امیر المومنین بھی اس قول پر راضی نہ ہوں گے (مصدر سابق ۲/۱۵۷، ۱۵۸) اس طرح تاریخ کا یہ اہم واقعہ رونما ہوا کہ شخص واحد کی قائم کی ہوئی نجی مجلس وضع قوانین کا مرتب کیا ہوا قانون محض اپنے اوصاف اور اپنے مرتب کرنے والوں کی اخلاقی ساکھ کے بل پر ملکوں اور سلطنتوں کا قانون بن کر رہا اس کے ساتھ دوسرا اہم نتیجہ اس کا یہ بھی ہوا کہ اس نے مسلم مفکرین قانون کے لیے اسلامی قوانین کی تدوین کا ایک نیا راستہ کھول دیا بعد میں جتنے دوسرے بڑے بڑے فقہی نظام بنے اور اپنے طرزِ اجتہاد اور نتائج اجتہاد میں چاہے اس سے مختلف ہوں، مگر ان کے لیے نمونہ یہی تھا جسے سامنے رکھ کر ان تعمیر کی گئی، لہٰذا باضابطہ قانونِ اسلام اور قانونِ شریعت کے مدوّن سب سے پہلے شخص امام اعظم ابوحنیفہ ہی ہیں۔

علامہ شمس الدین محمد بن یوسف صالحی شافعی دمشقی لکھتے ہیں:

"یقیناً امام ابوحنیفہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے علم شریعت کی تدوین کی ہے اور اس کو ابواب پر مرتب کیا ہے پھر امام مالک بن انس نے مؤطا کی ترتیب میں امام ابوحنیفہ کی پیروی کی ہے، امام ابوحنیفہ پر کسی کو سبقت حاصل نہیں ہے، کیوں کہ حضرات صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کا اعتماد اپنی قوتِ حافظہ پر تھا، جب امام ابوحنیفہ نے دیکھا کہ علم شریعت اکنافِ عالم میں پھیل گیا ہے تو آپ کو اس علم کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوا لہٰذا آپ نے اس کو ابواب اور کتابوں پر مرتب اور منضبط کیا، ابتدا کتاب الطہارت سے کی، پھر کتاب الصلاۃ، کتاب العبادات، کتاب المعاملات کو بیان کیا اور کتاب المیراث پر اس سلسلہ کو ختم کیا کیوں کہ اس کا تعلق انسان کی آخرت سے ہے امام ابوحنیفہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے کتاب الفرائض اور کتاب الشروط تصنیف کی۔"

فقہائے مجتہدین کی ٹیم تیار کرنا

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دوسرا اہم کارنامہ اپنے شاگردوں کی صورت میں فقہائے مجتہدین کی ایک زبردست ٹیم تیار کرنا ہے، اس خصوص میں بھی امام اعظم دیگر ائمہ مجتہدین سے منفرد نظر آتے ہیں کیوں کہ آپ نے اپنی مجلس علمی میں جہاں قانونِ اسلام کی زبردست تربیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی فرمائی اور ان کے اندر یہ صلاحیت پیدا فرمادی کہ وہ کسی بھی جدید مسئلے کا حکم اصول شریعت کی روشنی میں نکال سکتے تھے علامہ محمد بن احمد ذہبی مالکی نے ''مناقب الامام اَبی حنیفہ و صاحبیہ'' میں لکھا ہے کہ علمائے کبار کی ایک جماعت نے حضرت امام ابوحنیفہ سے فقاہت حاصل کی ان میں سے مندرجہ ذیل اہل علم خاص ہیں:

(۱) زفر بن ہذیل (۲) قاضی ابو یوسف (۳) آپ کے صاحب زادے ممتاز (۴) نوح بن ابی مریم معروف بہ نوح جامع (۵) ابومطیع حکم بن عبداللہ بلخی (۶) حسن بن زیاد لوٗلوٗی (۷) محمد بن حسن شیبانی (۸) قاضی اسد بن عمرو۔

اور آپ سے بے شمار محدثین اور فقہا نے روایت کی، ان میں سے درج ذیل افراد بھی ہیں:

(۱) مغیرہ بن مقسم (۲) زکریا بن ابی زائدہ (۳) مسعر بن کدام (۴) سفیان ثوری (۵) مالک بن مغول (۶) یونس بن ابو اسحاق (۷) شریک (۸) حسن بن صالح (۹) ابوبکر بن عیاش (۱۰) عیسیٰ بن یونس (۱۱) علی بن مسہر (۱۲) حفص بن غیاث (۱۳) جریہ بن عدالحمید (۱۴) عبداللہ بن مبارک (۱۵) ابومعاویہ (۱۶) وکیع (۱۷) المحاربی (۱۸) ابواسحاق فزاری (۱۹) یزید بن ہارون (۲۰) اسحاق بن یوسف ارزق (۲۱) معافی بن عمران (۲۲) زید الحباب (۲۳) سعد بن صلت (۲۴) مکی بن ابراہیم (۲۵) ابوعاصم نبیل (۲۶) عبدالرزاق بن ہمام (۲۷) حفص بن عبدالرحمٰن سلمی (۲۸) عبیداللہ بن موسیٰ (۲۹) ابوعبدالرحمٰن مقری (۳۰) محمد بن عبداللہ انصاری (۳۱) ابونعیم (۳۲) ہوذہ بن خلیفہ (۳۳) ابواسامہ (۳۴) ابویحییٰ حمانی (۳۵) ابن نمیر (۳۶) جعفر بن عون (۳۷) اسحاق بن سلیمان رازی وغیرہ۔

(مناقب الامام ابی حنیفۃ وصاحبیہ، ص ۱۱)

امام اعظم علیہ الرحمٰن الرضوان نے اپنے شاگردوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

انتم مسافر قلبی وجلاء حزنی، اسریت لکم الفقه و الجمته، و قد ترکت الناس یطؤن اعقابکم، و یلتمسون الفاظکم، ما منکم احد الا و هو یصلح للقضاء، فسالتکم باللّٰه و بقدر ما وهب اللّٰه لکم من جلالة العلم لما مستموه عن ذل الاستیجار

(ابوحنیفة: حیاته و عصره، آراؤه و فقهه: ابوهریزة، ص ۱۸۷)

☆ عام کی تخصیص نیت کے ساتھ دیانۃ مقبول ہوتی ہے نہ کہ قضاء ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تم میری مسرت و شادمانی کا سامان اور میرے غم و اندوہ کو دُور کرنے والے ہو، میں نے تمھارے لیے فقہ پر زین کس دی ہے اور لگام لگا دی ہے اور لوگوں کو اس حال میں چھوڑ رہا ہوں کہ تمھارے نقشِ قدم پر چلیں اور تمھارے ارشادات کے طلب گار ہوں تم میں سے ہر ایک قاضی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے میں نے تُم سے اللہ کا اور اس رُتبہ کا جو اللہ تعالیٰ نے تم کو علم کی عظمت کا عطا فرمایا ہے واسطہ دے کر یہ چاہتا ہوں کہ اس علم کو اُجرت لینے کی ذلت سے بچانا۔

بہرحال یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ آپ کے تلامذہ کی ایک لمبی تعداد تھی، جنھوں نے آپ سے فقہ و اجتہاد کی تربیت لی تھی، خود حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ نے اپنے ان تلامذہ کی جلالتِ علمی کا اعتراف فرمایا، شیخ محمد ابو زہرہ مصری نے اپنی کتاب ''ابو حنیفة حیاته و عصره، آراؤه و فقهه'' میں اسے لکھا ہے وہ فرماتے ہیں، ''حضرت امام اعظم کے اصحاب اور تلامذہ بہ کثرت تھے ایک جماعت وہ تھی کہ کچھ مدت تک آپ کی خدمت میں رہ کر اور فضل و کمال حاصل کرکے اپنے وطن چلی گئی اور ایک جماعت وہ تھی جو آپ ہی سے وابستہ رہی، چناں چہ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا، ''یہ میرے چھتیس اصحاب ہیں، ان میں سے اٹھائیس میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ قاضی بن سکیں، چھ افراد میں مفتی بننے کی صلاحیت ہے اور دو یعنی ابو یوسف اور زفر قاضیوں اور مفتیوں کو ترتیب دینے کی لیاقت رکھتے ہیں۔'' (مرجع سابق)

خلاصہ یہ ہے کہ سیّدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے گراں قدر کارناموں میں یہ دو کارنامے اور علمی و اجتہادی خدمات ایسی ہیں جن میں حضرت امام کی ذات منفرد ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی قبرِ انور پر قیامت تک رحمت و نور کی موسلا دھار بارش برسائے اور آپ کو آپ کی ان خدماتِ جلیلہ کا وہ بدلہ عطا فرمائے جو اس کی شانِ کریمی کے لائق ہے۔

© rasailojaraid.com